فکر و نظر............ اسلام آباد   جلد: ۴۷   شمارہ: ۳

سیرتِ نبویؐ اور عصرِ حاضر کے تقاضے

ڈاکٹر ظفراللہ بیگ☆

Abstract

The Seerah of Prophet (PBUH) is a role model for the humanity. The unique characteristics of his personality were recognized from the early age of his active life. In his pre Prophet Hood life he became famous as truth worthy and an honest personality. At the age of 40 years, he attained the responsibilities of last prophet of Allah Almighty. He started his preaching from his closed relatives. The everlasting characteristics of his message are the uniqueness of Prophet Hood of Muhammad (PBUH). Prophet (PBUH) presented eternal divine guidance of Allah Almighty to the humanity in comprehensive and everlasting way. He has presented complete way of life suitable to all civilizations and cultures. The complete legal system, protection of rights of women and children, reforms in religious matters, importance of knowledge, elimination of slavery, simplicity and ethics of war based on justice were characteristics of the message of Prophet (PBUH).

Contemporary world is facing lot of complicated problems due to the advancement of science and technology the need for solution of contemporary problems became very vital. Contemporary Muslims are facing lot of problems because of their backwardness in science and technology. The solution of the contemporary Muslim problems is lying in the Seerah of Prophet (PBUH). The intellectual crises of the contemporary Muslim world, the social restructuring of Muslim societies and legal reforms in Muslim countries to protect the human rights can be possible only if Muslims follow Seerah of Prophet (PBUH). The Muslims can reform their economy and societies only if they follow the Seerah of Prophet (PBUH). The Seerah of Prophet (PBUH) is a beam light for the bright future of the Muslim societies.

☆☆☆☆☆

☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر، کلیہ اصول الدین، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی،اسلام آباد۔

افق عالم پر کئی مذہبی مصلح، مفکر، دانشور اور سیاسی مدبر نمودار ہوئے جنہوں نے اپنے افکار عالیہ سے تہذیب انسانی کو مالا مال کیا۔ انہوں نے اپنے فکر و تدبر سے دنیاوی علوم و فنون کو ترقی دی اور لوگوں کو علم کی نئی راہیں دکھائیں۔ اقوام و ملل کو سیدھا راستہ دکھانے کے لیے خدا نے اپنے پیغمبر مبعوث فرمائے جنہوں نے گمراہ لوگوں کو راہ راست دکھائی۔ ان تمام لوگوں کے باوصف خدا تعالیٰ نے دنیا کو حق و صداقت کا راستہ دکھانے اور اپنا آخری پیغام دینے کے لیے ایک ایسی عظیم المرتبت ہستی کو مبعوث فرمایا جنہوں نے تاریخ کا نقشہ بدل دیا۔ حالات کا دھارا موڑ دیا اور خدا کی منشا کو عام کیا۔ آنحضورﷺ کی ذات نمونہ اقتداء و پیروی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپﷺ کی ذات میں تمام اخلاق کریمہ، سچائی، محبت، عزت و احترام، عجز و انکساری، معاملہ فہمی اور اعلیٰ درجہ کی سمجھ بوجھ کو اس طرح جمع کر دیا کہ آپﷺ ساری دنیا کے لیے نمونہ بن گئے۔ آپﷺ کی انہی صفات کی بناء پر جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا:

> ''میں نے زمین کے مشرق و مغرب کا چکر لگایا لیکن میں نے محمدﷺ سے بہتر کسی کو نہ پایا۔ میں نے زمین کے مشرق و مغرب کو دیکھ ڈالا لیکن میں نے نبی ہاشم سے بہتر کسی کو نہ پایا۔(۱)

رسول اللہﷺ اس طرح جوان ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپﷺ کو عرب جاہلیت کی بری عادتوں سے محفوظ فرمایا۔ آپ کی عزت و سعادت اور مکہ کے قبل از اسلام معاشرے میں احترام آپﷺ کے وہ خصائص ہیں جن کی بناء پر صدقِ دل رکھنے والوں کے لیے آپﷺ کو آسانی سے رسول اور نبی تسلیم کرنے کے لیے کوئی مشکل پیش نہ آئی۔ آپﷺ کی قبل از اسلام کی زندگی دراصل عزت و احترام کے ساتھ منصبِ رسالت کی ذمہ داری کی ادائیگی کی تیاری تھی۔ آپﷺ لوگوں میں بہترین صورت والے، سب سے زیادہ امانت والے، برائی سے سب سے زیادہ دور رہنے والے اور صادق و امین کے لقب سے مشہور ہو گئے۔(۲)

آپﷺ کی انتظامی صلاحیتوں کے اہل عرب اس وقت معترف ہوگئے جب آپ نے 35 سال کی عمر میں بیت اللہ کی تعمیر کے بعد حجرِ اسود کو نصب کرنے کے مسئلہ پر ہونے والے تنازعہ کو خوش اسلوبی سے طے کر دیا اور اہل مکہ آپ کو دیکھ کر بے اختیار پکار اٹھے، **هذا الامين، رضينا هذا محمد** ﷺ.(۳)

آپﷺ نے اپنی دعوت کا آغاز اپنے قریبی رشتہ داروں سے کیا۔ آپ کی دعوت کی راہ میں

رکاوٹیں ڈالی گئیں۔ آپ ﷺ کو برا بھلا کہا گیا۔ آپ ﷺ کے ساتھیوں کو جسمانی اذیتیں دی گئیں لیکن آپ نے اپنی دعوت کو جاری رکھا۔ 13 سال کی شب و روز جدو جہد کے نتیجہ میں آپ نے ایک ایسی جماعت تیار کر ڈالی جو عدل و انصاف پر مبنی نظام نافذ کرنے کے لیے تیار تھی۔(۴)

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر مبعوث فرمائے لیکن چند ایک پیغمبروں کے سوا ہمیں باقی نبیوں اور رسولوں کے نام اور حالات معلوم نہیں ان میں سے بعض اپنی قوموں کی طرف مبعوث ہوئے اور بعض چھوٹے چھوٹے علاقوں میں آئے مگر نبی کریم ﷺ تمام جہانوں کے لیے اور پوری دنیا کیلئے رسول ونبی مبعوث ہوئے۔ آپؐ نے لوگوں کے سامنے خدا کی ذات و صفات کا مکمل اور جامع تصور پیش کیا۔ رسول کریم ﷺ نے خدا تعالیٰ کی جو شان اور عظمت بیان کی دنیا اس سے قبل اس سے واقف نہ تھی۔ خدا کی ذات پر کامل ایمان نے انسانوں کی زندگی میں انقلاب رونما کیا اس کو در در پر سجدہ ریز ہونے سے روکا۔ اس طرح اس کی عزت نفس کو مزید مجروح ہونے سے بچایا اور اس کی زندگی میں توازن اور معبود حقیقی کی اطاعت کا جذبہ بیدار کیا تاکہ وہ معبودان باطلہ کی جگہ خدائے لم یزل کا Ç بن جائے عقیدہ توحید سے اس کی زندگی میں انقلاب بپا ہوا اور وہ حق کی راہ پر گامزن ہوا۔ اس کا جینا مرنا، نماز اطاعت قربانی ہر شے خدا کے لیے تھی اور اسی کی اطاعت سے اس کو دنیا و آخرت کی دولت نصیب ہوئی۔

مختلف تمدنی ادوار میں حکماء نے معاشرے میں عدل و انصاف قائم کرنے کے لیے بعض قوانین وضع کئے اور ان کی بنیاد پر ایک حکومت وجود میں آئی۔ تمدنی ارتقاء کے ساتھ ساتھ انسان کی معاشی اور معاشرتی ضرورتیں بدلتی رہیں جن کے لیے نئے قوانین اور ضابطے بنائے جاتے رہے اور یہ سلسلہ طلوع اسلام تک جاری رہا۔ اس طرح مختلف معاشروں میں ایک تو وہ قوانین معرض وجود میں آتے رہے جو انسان کی فکری اور ذہنی کاوشوں کے مرہون منت تھے دوسرے وہ قوانین منصۂ شہود پر آئے جو خدا نے انبیاء کے ذریعے کسی خاص معاشرے کی اصلاح کیلئے نازل کیے۔

اسلام نے ایک کامل شریعت پیش کی۔ قرآن ایک مکمل اور جامع ضابطہ حیات ہے۔ شریعت اللہ کی طرف سے نازل کردہ قانون ہے۔ چونکہ نبی کریم ﷺ خاتم النبیین ہیں آپ کے بعد کوئی نبی یا رسول نہیں آئے گا اس لیے اسلامی شریعت بھی ازلی اور ابدی ہے۔ اسلام کی رو سے الہامی قانون کو انسانی قوانین پر ہر طرح کی برتری حاصل ہے۔ شریعت کی غرض یہ ہے کہ وہ کسی ایسے قانون کی صورت میں انسان کی رہنمائی کرے جس سے اس کی پیدائش کی غرض اور مقصد پورا ہوسکے۔ اس وجہ

سے شریعت کے لیے یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ وہ خالق و مخلوق کے حقوق کی پوری پوری وضاحت کرے اور ان حقوق کی حفاظت کے لیے سامان ½ کرے۔ اس کے علاوہ شریعت کا یہ بھی مدعا ہے کہ وہ انسان کی طبعی اور روحانی حالتوں کی اصلاح اور ان کی تربیت اور تکمیل کے لیے ایسے اصول پیش کرے جن کی روشنی میں ایک صحت مند اور اعلیٰ قدار پر مبنی معاشرہ تشکیل پذیر ہو:

☆ اسلامی شریعت زمانے کی ہر ضروت کے لیے مکتفی ہے اور انسان کی ہر ضرورت کو جو اس کی طبعی اخلاقی اور روحانی ترقی کے لیے ضروری ہوں پورا کرتی ہے۔ اس میں نہ صرف موجودہ زمانہ کی ضروریات کا سامان موجود ہے بلکہ ان ضروریات کو بھی مد نظر رکھا گیا ہے جو قیامت تک انسان کو پیش آ سکتی ہیں۔

☆ کامل مذہب کا یہ تقاضا ہے کہ انسان کی زندگی کے ہر پہلو کا احاطہ کرے اور اسے رہنمائی ½ کرے مثلاً اخلاق، تمدن سیاست، آخرت وغیرہ۔ اسلامی شریعت میں ان سب امور پر مکمل ہدایت موجود ہے(۵)۔

☆ اسلام کی شریعت حقہ ہر ملک اور ہر قوم کے لیے قابل عمل ہے۔ اسلام نے ایسے ٹھوس جامع اور لازوال قوانین بیان کر دیے ہیں جو ہر قوم و ملک کے لیے قابل عمل ہیں۔

☆ اسلام اس کامل شریعت کا علمبردار ہے جو اپنی فصاحت، بلاغت اور لطافت میں بے نظیر ہے۔ قرآن کی فصاحت و بلاغت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔

☆ کامل شریعت کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ اپنے کامل ہونے کا اعلان کرے اور جو تعلیم پیش کرے اس کے دلائل بھی خود دے۔ قرآن کریم میں اپنے کامل ہونے کا دعویٰ موجود ہے:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾(٦).

☆ کامل شریعت کے لیے ضروری ہے کہ اس کا حامل ہر لحاظ سے لوگوں کے لیے کامل نمونہ ہو۔ اس کی زندگی میں انسانی زندگی کے ہر پہلو کے متعلق عملی نمونہ موجود ہو اور اس کا عمل لوگوں کے لیے اسوۂ حسنہ ہو۔ حضرت نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ پاکیزہ اسوۂ حسنہ ہے جو معاشرے کے ہر طبقہ کے لیے نمونہ عمل ہے۔

☆ کامل شریعت کے لیے ضروری ہے کہ اس کی حفاظت کا انتظام خدا نے خود اپنے ذمہ لیا ہو اس کو بدلنا انسان کے بس میں نہ ہو۔ قرآن کا یہی دعویٰ ہے۔ اس میں تحریف ناممکن ہے اور اس کی شریعت غیر متبدل ہے۔

☆ کامل شریعت کے لیے ضروری ہے کہ وہ افراط و تفریط سے پاک ہو اور قابل عمل حکمت سے پُر

اور میانہ روی پر مبنی ہو۔

☆ کامل شریعت کے لیے ضروری ہے کہ وہ ۱۔ اللہ تعالیٰ کی آیات اور نشانات کا علم دے۔ ۲۔ تزکیہ نفس کرے، ۳۔ الہامی کتاب کا علم دے، اور ۴۔ اس کے احکام کی حکمتیں بتائے۔ قرآن میں نبی کریم ﷺ کے یہی چار کام بتائے گئے ہیں:

﴿هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾(۷)

خدا فرماتا ہے کہ ہم نے امیوں میں ایسا رسول مبعوث فرمایا ہے جو آیات کی تلاوت کرتا ہے انسانوں کے نفوس کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ یہ اتنا عظیم کام ہے جو ایک اولو العزم رسول ہی انجام دے سکتا ہے جو جامع شریعت کا حامل ہو۔ یہ سعادت نبی اکرم ﷺ کے حصہ میں آئی۔

چونکہ اسلامی شریعت آفاقی قوانین کی طرح جامع قوانین پر مشتمل ہے اس لیے وہ زمانے کی ضروریات اور تقاضوں کو پورا کرنے کی اہل ہے اس کے برعکس دیگر مذاہب میں ایسی ٹھوس اور جامع شریعت سرے سے موجود نہیں، اگر بعض رسوم و احکامات ہیں تو وہ بے روح ہیں وہ معاشرے کی ضروریات کو پورا کرنے سے قاصر ہیں۔ یہ صرف اسلام ہی ہے جس نے زندگی کے ہر شعبے میں انسان کی رہنمائی کی اور نبی کریم ﷺ نے اپنی زندگی میں اس پر عمل کرکے دکھایا۔ ہمارے لیے قرآن کے احکام اور نبی کریمؐ کا اسوۂ حسنہ مشعل راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہم ان احکام پر عمل کرکے اپنی اصلاح کرسکتے ہیں اور دینی و دنیاوی نعمتیں حاصل کر سکتے ہیں۔ اسلامی شریعت جامد اور بے روح دستاویز نہیں نہ ہی رسومات کا مجموعہ ہے بلکہ اپنے اندر ایک قوت اور توانائی رکھتی ہے۔ یہ معاشرے میں انقلاب بپا کرسکتی ہے اگر لوگ اس پر پوری طرح عمل پیرا ہوں اور حکومت اس کے قوانین کے نفاذ میں مخلصانہ کوشش کرے۔

ایک مثالی معاشرے کے قیام کے لیے عدل و انصاف کا ہونا بہت ضروری ہے اس لیے حقیقی انقلاب کی غرض و غایت قیام عدل ہے، عدل نہ ہونے کا نتیجہ انسانوں کے دلوں میں نا اُمیدی اور معاشرے میں ابتری کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ نبی کریم ﷺ کی بعثت کے وقت عرب معاشرہ ظلم و جور، قتل و غارتگری اور انارکی کا شکار تھا۔ آپ نے عدل و انصاف کے قیام کی راہ ہموار اور معاشرے کی برائیوں کو رفتہ رفتہ ختم کیا۔ آپ نے اعلان فرمایا:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ وَلَوْ عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ اَوِالْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ. اِنْ یَّکُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰہُ اَوْلٰی بِھِمَا. فَلَا تَتَّبِعُوا الْھَوٰٓی اَنْ تَعْدِلُوْا. وَاِنْ تَلْوٗا اَوْتُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا﴾(۸)

(اے لوگو! جو ایمان لائے ہو انصاف کے علمبردار اور خدا کے واسطے گواہ ہو اگرچہ تمہارے انصاف کی خود تمہاری ذات پر یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی زد کیوں نہ پڑتی ہو۔ فریق معاملہ خواہ مالدار ہو یا غریب اللہ تم سے زیادہ ان کا خیرخواہ ہے۔ لہٰذا اپنی خواہش نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو اور اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا تو جان لو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے)۔

اس کے بعد اس میں مزید اضافہ کرتے ہوئے فرمایا گیا:

﴿وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا. اِعْدِلُوْا. ھُوَاَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی)(۹)

(کسی گروہ کی دشمنی تمہیں اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے)۔

نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ عدل انصاف کا نمونہ تھی آپ نے زندگی کے ہر شعبہ میں عدل اختیار کیا۔ عدل و رواداری کا یہ عالم تھا کہ آپ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ کفار کے معبودان باطل کو برا بھلا نہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ نادانستہ طور پر خدا کو برا بھلا کہہ بیٹھیں۔ اس عدل وانصاف کا نتیجہ تھا کہ مسلمان تو ایک طرف، تو یہود جو آپ کے شدید ترین مخالف تھے۔ اپنے مقدمات آپ ﷺ کی بارگاہ میں لاتے تھے اور آپ ﷺ کا فیصلہ ان کی شریعت کے مطابق ہوتا تھا۔ آنحضور ﷺ نے میثاق مدینہ کے ذریعے اہلِ مدینہ کو عدل و انصاف کا نظام عطا فرمایا۔ یہ عدل و انصاف تمام نسلی، مذہبی اور قبائلی امتیازات سے بالاتر تھا۔ اہلِ مدینہ میں کچھ یہودی قبائل بھی موجود تھے۔ ان میں بنو قریظہ کا قبیلہ بھی تھا۔ بنو قریظہ عربی میں اس درخت کو کہا جاتا تھا جو عربوں کے ہاں دباغت کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ گویا کہ یہ لوگ چمار تھے اور جوتے وغیرہ بنا کر بیچا کرتے تھے، اس قبیلہ کو دوسرے یہود کم تر سمجھتے تھے اور ان کے خون بہا دوسرے یہودیوں سے نصف ہوا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے اس ناانصافی کا احتساب فرمایا اور اس کو منسوخ کرکے مساوات کا حکم دیا۔ اس فیصلے سے دوسرے یہودی قبائل ناراض بھی ہوئے لیکن آپؐ نے عدل و انصاف کی راہ میں کسی دباؤ کی پرواہ نہ کی۔(۹-۱۰)

جس معاشرے میں عدل نہ ہو مظلوموں کی حق تلفی ہو ان کو انصاف نہ ملے ان کی شکایات سننے

والا کوئی نہ ہو ان کو محروم رکھا جائے اور صاحب ثروت لوگوں کے حق میں فیصلے کیے جائیں وہ معاشرہ جلد ہی انتشار میں مبتلا ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ انصاف میں دیر کرنا یا اس کی راہ روکنا ایک ظلم عظیم ہے قرآن اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتا بلکہ انصاف کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنے پر زور دیتا ہے۔ انصاف وعدل معاشرتی ترقی اور تمدنی ارتقاء کی روح ہیں اگر یہ روح ہی موجود نہ ہو تو معاشرہ مردہ جسم بن کر رہ جاتا ہے اسی لیے نبی کریم ﷺ نے عدل و انصاف قائم کیا اور امیر غریب، ہر طبقے کے حقوق کا تحفظ کیا اور ان کو انصاف ہوتا نظر آیا جس کی کئی مثالیں تاریخ میں موجود ہیں۔

عورتوں کے حقوق کو تسلیم کرنا اور پھر ان کو معاشرے میں رائج کرنا ایک کٹھن مرحلہ ہے۔ اسلام وہ واحد دین ہے جس نے چودہ سو سال قبل عورتوں کے حقوق کو تسلیم کیا اور ان کا تحفظ کیا۔ عورت کو معاشرتی پستی اور زبوں حالی سے نکالا ان کی حالت کو بہتر بنانے کے لیے ایک دینی ضابطہ دیا(۱۰)۔ حالانکہ چھٹی صدی عیسوی میں عیسائیت کا دور دورہ تھا جو رہبانیت پر کاربند تھی۔ عورت سے قطع تعلق اور نفرت کرنا مذہبی پیشوائیت کا عمومی طرز عمل تھا۔ عورت کی عزت اور وقار کو پامال ہونے سے بچانے کے لیے جو کردار اسلام نے ادا کیا وہ کسی اور مذہب میں نہیں ملتا۔

یہ عورت سے نفرت و حقارت اس کی بے وقعتی اور تذلیل کا نتیجہ تھا کہ عربوں میں بیٹی کی پیدائش کو نفرت کی نظر سے دیکھا جاتا اور عرب کے جاہل مشرک اسے زندہ دفن کرنے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ اس کا وجود ان کے نزدیک ناپاک اور ان کی عزت کو خاک میں ملانے کے مترادف تھا۔ اسلام نے ان ظالمانہ قوانین کے خلاف آواز بلند کی اور انہیں مٹا کر رکھ دیا۔ بعض مذاہب کے غلط خیالات کے باعث عورت انسان کو خدا سے دور کرنے والی ہستی تھی وہ مرد سے انتہائی کمتر تھی محض افزائش نسل کا ایک ذریعہ تھی۔ مرد کے مال میں اس کا کوئی حصہ نہ تھا بلکہ اس کی آمدنی مرد کا حق سمجھا جاتا تھا اور اس سے بدکاری کرانا ایک عام روش تھی۔ باپ کے مرنے کے بعد بیٹے بھیڑ بکریوں کے گلے کی طرح عورتوں کو بھی آپس میں بانٹ لیتے تھے۔

اسلام نے عورت کو معاشرے میں جائز مقام دلوانے کے لیے بعض اہم اصلاحات کیں:

۱۔ مردوں کو حکم دیا کہ عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں(۱۱)۔

۲۔ عورتوں کے اختیارات کا دائرہ وسیع کیا۔

۳۔ عورتوں کو اپنی عزت ووقار قائم کرنے کے طریقے بتائے۔

معاشرتی اصلاحات کے ضمن میں یہ بات نمایاں تھی کہ مردوں اورعورتوں دونوں کو ان کے حقوق

اور فرائض سے آشنا کیا جائے۔ مردوں کو احساس دلایا کہ جس طرح ان کے حقوق ہیں اسی طرح ان کی عورتوں کے بھی ان پر حقوق ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''عورت کا خیال رکھو ان کی عزت کرو اور ان کی پوری پوری نگہداشت کرو اور ان کی ضروریات کو پورا کرو یہ ماں، بیوی اور بیٹی ہے۔ جب کسی دوسرے ملک یا شہر میں جاؤ تو آتی دفعہ اپنی عورت کے لیے تحفہ لاؤ تاکہ تمہارے درمیان محبت بڑھے''۔

عورت پر بے جا ظلم نہ کرو ان کو اچھا کھلاؤ اچھا پلاؤ۔ اپنی بیوی کے ساتھ اچھا سلوک کرنا تمہاری شرافت کی نشانی ہوگا۔ عورت کو ثروت و سعادت دینے کے لیے ماں کو عظیم مقام دیا گیا اور اس کی خدمت اور اطاعت فرض قرار دی گئی۔ اس کے قدموں میں جنت بتائی گئی۔ تمدنی سطح پر عورت کو وہی حقوق عطا کیے گئے جو مرد کو حاصل ہیں(۱۲) عورت کو وراثت، باپ، بیٹے اور خاوند کے مال میں حقدار بنایا گیا۔ عورت کو اپنے مال کا مالک قرار دیا گیا وہ ہرقسم کا معاہدہ کرنے کی اہل قرار پائی اسے بیع و شراء کے وہی اختیارات حاصل ہوئے جو مرد کو حاصل تھے۔ اس سلسلہ میں عورت کو اتنے اختیارات حاصل ہوگئے کہ وہ اپنے اموال کو خود اپنی تحویل میں رکھ سکتی تھی اور بذریعہ تجارت ان میں اضافہ کرسکتی تھی۔

عورت کو اسلامی اصولوں کی پابندی کی تلقین کی گئی اور بتایا گیا کہ مرد ہی جنت کے حقدار نہیں ایک مومن عورت نیکی تقویٰ اور دینی احکامات پر کاربند ہو کر اسی طرح خدا کا قرب حاصل کرسکتی ہے جس طرح ایک مومن مرد کو حاصل ہوتا ہے۔ قرب الٰہی حاصل کرنے کے لیے حصول علم کو فرض قرار دیا گیا تاکہ جہالت کی تاریکی سے نکل کر وہ اپنے قلب و ذہن کو جلا بخشے۔ بیٹیوں کی تعلیم و تربیت پر اسی طرح خرچ کرنے کی تلقین کی گئی جیسے بیٹوں کے لیے کی جاتی تھی۔ نبی کریم ﷺ نے لڑکیوں کی شادی پر بہت زور دیا۔ آپ نے فرمایا جس نے اپنے دو بیٹیوں کی اچھی تربیت کی اور ان کی شادی کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہو گا۔

غرضیکہ اسلام نے عورت کی عزت، عصمت اور عفت کی حفاظت کی اس کو پاک بازی اور اعلیٰ اخلاق کا نمونہ بنایا اسے خاوند کی اطاعت اور بچوں کی عمدہ تعلیم و تربیت کا درس دیا اور اپنی ذات کو ان اعلیٰ صفات سے مزین کرنے کا اہل بنایا جن کی بدولت وہ اپنی عزت وتکریم میں اضافہ کرسکتی تھی اور معاشرے میں اپنا جائز مقام حاصل کرسکتی تھی۔ چنانچہ اسلام کے ابتدائی دور میں مسلم معاشرے میں عورت کو ایک بلند مقام ملنا شروع ہوا۔ وہ عورت جو عرب معاشرے میں ذلیل اور کم تر سمجھی جاتی تھی

جس کو حقیر بے وقعت اور ناقص العقل قرار دیا جاتا تھا بلکہ بعض معاشروں میں حیوانی درجہ پر فائز قرار دیا جاتا تھا وہ معاشرے کا ایک باعزت اور فعال رکن بن گئی(۱۳)۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ جلال الدین سیوطی اور خطیب بغدادی جیسے نامور علماء نے عورتوں کی شاگردی کو اپنے لیے سرمایہ افتخار قرار دیا۔ مسلمان عورتوں کے قابل فخر علمی کارناموں سے تاریخ کے اوراق پُر ہیں۔

عورتوں سے حسن سلوک اور ان کی عزت و تکریم کے بہت سے عملی نمونے نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ میں نمایاں طور پر جلوہ گر ہیں۔ آپ کی دایہ حلیمہ سعدیہ تشریف لاتی ہیں تو آپ از راہ احترام کھڑے ہو جاتے ہیں اور ان کے بیٹھنے کے لیے اپنی چادر مبارک پھیلا دیتے ہیں۔ حضور اکرمؐ کے احسانات صرف مسلمان عورتوں تک محدود نہ تھے بلکہ آپؐ نے ہر مذہب و ملت کی عورتوں کے ساتھ عمدہ سلوک کا مظاہرہ کیا۔ جنگ حنین کے قیدیوں میں آپؐ کی رضاعی بہن آپ کے سامنے لائی جاتی ہے آپ ان کو پہچان کر اپنی چادر بچھا دیتے ہیں اور اس کی عزت کرتے ہیں پھر ان کو اپنے ساتھ چلنے کو کہتے ہیں لیکن وہ اپنی قوم میں رہنا پسند کرتی ہیں آپ ان کو بہت سے تحائف دیتے ہیں۔ قبیلہ بنی طے نے شرارت کی اور ان کے بہت سے افراد کو قید کرکے دربار نبوی ﷺ میں لایا گیا ان میں حاتم طائی کی بیٹی سفانہ بھی تھی، جب نبی اکرم ﷺ کو یہ خبر ملی تو آپ نے اس کو عزت و احترام کے ساتھ واپس بھیجنا چاہا لیکن اس نے کہا کہ وہ اکیلی نہیں جانا چاہتی جب تک باقی افراد رہا نہ ہوں اس پر آپ نے تمام قیدیوں کو رہا کر دیا۔

اسلام نے عائلی زندگی، نکاح طلاق، وراثت معاشرتی حقوق اور زندگی کے ہر شعبہ میں عورت کو برابری کے حقوق عطا کر کے عورت کو تمدنی سطح پر اس کا جائز مقام دیا۔ مغرب میں عورتوں نے آزادی کی کئی تحریکیں چلا کر وہ حقوق حاصل کیے جو اسلام نے ان کو ابتداء ہی میں عطا کردیئے تھے۔ مغربی معاشرہ عورت کے حقوق کے نام پر اخلاق باختگی اور حیا سوزی کی سرحدوں کو پھلانگ چکا ہے لیکن اسلام نے اخلاق اور صحت مند معاشرے کی جو حدود مقرر کی ہیں ان کے اندر رہ کر عورت کو اس کا جائز مقام اور وہ تمام انسانی حقوق مل سکتے ہیں جس کی وہ حقدار ہے۔

علم کی روشنی جہالت کو دور کر کے انسانوں کو معاشرے کا فعال رکن بننے میں معاونت کرتی ہے اسی کی بدولت ایک صحت مند معاشرہ جنم لیتا ہے خدا نے آج سے چودہ سو سال قبل فرمایا:

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾(۱۴)

(اے نبی ان سے معلوم کرو کہ جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں)۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ نبی اکرمﷺ نے اپنی دعوت کی ابتداء میں ہی لوگوں کو علم کی اہمیت سے آگاہ کیا آپؐ کی بعثت کے وقت عرب میں سترہ آدمی لکھنا پڑھنا جانتے تھے سارا معاشرہ ان پڑھ اور جاہل تھا۔ آپ جانتے تھے جہالت ختم ہونے کے بغیر یہ ممکن نہیں کہ آپ کا پیغام قبولیت عامہ حاصل کرسکے۔ نبی کریمؐ کو پہلی وحی ہی میں کہا گیا تھا:

''پڑھو (اے نبیؐ) اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی پڑھو تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا''(۱۵)

اسی طرح خدا نے ایک مستقل سورت القلم نازل فرمائی جس کا زمانہ نزول مکہ کا ابتدائی دور ہے اس سورۃ میں قلم کی اہمیت اور عظمت کو اجاگر کرنے کے لیے اس کی قسم کھائی گئی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ﴾(۱۶)

(ن، قسم ہے قلم کی اور اس چیز کی جس کو لکھنے والے لکھ رہے ہیں)۔

نبی کریمﷺ نے حصول علم ہر مسلمان پر فرض قرار دیا(۱۷) ہجرت سے قبل آپ نے مصعب بن عمیرؓ کو مسلمانوں کو دینی تعلیم دینے کے لیے روانہ کیا۔ ابھی مدینہ میں کوئی مسجد قائم نہ ہوئی تھی حضرت مصعبؓ نے ایک مکان کو درسگاہ بنایا(۱۸)۔ مسجد نبویؐ کی تعمیر کے بعد آپ نے عبداللہ بن سعیدؓ اور عبادہ بن صامتؓ کو اصحاب صفہ کو لکھنا پڑھنا سکھانے کے لیے مقرر کیا۔ تعلیم کی ترویج کے لئے ایک نصاب مقرر تھا جس میں دینی اور دنیوی تعلیم + صنائع جنگی کا علم شامل تھا۔ تعلیم مفت تھی آپ نے بعض صحابہ کو دوسری مروجہ زبانیں سیکھنے کے لیے مامور کیا زید بن ثابتؓ نے سریانی اور عبرانی کی تعلیم حاصل کی۔ مردوں کے علاوہ عورتوں کی تعلیم پر بھی اتنا ہی زور دیا گیا۔ پڑھی لکھی خواتین کو عام ان پڑھ خواتین کو تعلیم دینے کی تلقین کی گئی(۱۹)۔ عورتوں کی تعلیم کے بغیر معاشرے میں شعور اور آگہی فروغ نہیں پاسکتی اور نہ ہی زندگی کے تمام شعبوں میں نموپذیری اور یک جہتی ممکن ہوسکتی ہے۔

اسلام سے قبل شاید ہی کوئی ملک ہو جس میں غلامی کا رواج نہ ہو۔ چھٹی صدی عیسوی کی متمدن سلطنتیں روم و ایران میں غلامی اپنی بدترین صورت میں موجود تھی۔ اسلام نے غلامی کو رفتہ رفتہ مٹایا۔ غلاموں کو آزادی دلائی مسلمانوں کو بعض نیکیوں کے بدلے انفرادی طور پر غلاموں کو آزاد کرنے کی ترغیب دی اور پھر اسلامی حکومت کو بھی تلقین کی کہ وہ غلاموں کی آزادی کے لیے ایک رقم مقرر کرے

جیسے کہ قرآن حکیم میں ہے:

﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَالۡعٰمِلِيۡنَ عَلَيۡهَا وَالۡمُؤَلَّفَةِ قُلُوۡبُهُمۡ وَفِى الرِّقَابِ وَالۡغَارِمِيۡنَ وَفِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَابۡنِ السَّبِيۡلِ . فَرِيۡضَةً مِّنَ اللّٰهِ . وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ﴾(۲۰)

(صدقات یعنی زکوٰۃ تو مفلسوں اور محتاجوں کا حق ہے اور ان لوگوں کا جن کی تالیف قلب منظور ہے اور غلاموں کے آزاد کرانے اور قرض داروں کے قرض ادا کرنے میں مسافروں کی مدد میں بھی یہ مال خرچ کرنا چاہیے یہ حقوق خدا کی طرف سے مقرر کر دیے گئے ہیں اور خدا جاننے والا اور حکمت والا ہے۔)

خلیفہ وقت کے لیے صدقات کے مصارف میں سے غلاموں کی آزادی کے لیے خرچ کرنا ضروری قرار دیا گیا۔ کئی گناہ صغیرہ کا کفارہ غلاموں کی آزادی مقرر کیا گیا جیسے قسم توڑنا، بیوی کو ماں کہہ دینا وغیرہ۔ غلاموں سے حسن سلوک کی اہمیت کا پتہ اس بات سے چلتا ہے کہ نبی کریم ﷺ وصال کے وقت وصیت فرمائی کہ الصلاۃ وما ملکت ایمانکم (۲۱)۔ کہ اپنی نمازوں اور غلاموں و لونڈیوں کی خبر گیری کرو۔ لونڈیوں کے متعلق خاص طور پر حکم دیا کہ جس کے پاس لونڈی ہو وہ اس کی اچھی تعلیم و تربیت کرے پھر اس کو آزاد کر دے اور ممکن ہو تو اپنے نکاح میں لے آئے تو اس کے لیے دوہرا اجر ہے۔ آنحضرت ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ غلاموں اور لونڈیوں کو عبد اور امۃ کی بجائے اپنے لڑکے لڑکیاں کہہ کر پکارو تاکہ ان کی دل شکنی نہ ہو۔

غلاموں کے بارے میں جب کبھی آپ کے پاس شکایت پہنچی تو آپ انہیں آزاد کرنے کا حکم دیتے۔ ایک شخص نے آپ سے پوچھا غلاموں کا قصور کتنی دفعہ معاف کر دوں۔ آپ خاموش رہے اس نے پھر عرض کیا آپ نے پھر خاموشی اختیار کی اس نے تیسری بار عرض کیا تو آپ نے فرمایا ''ہر روز ستر بار معاف کرو'' (۲۲)۔

غلاموں سے آپ کی شفقت کا یہ عالم تھا کہ اکثر کافروں کے غلام بھاگ کر آپ کے ہاں پناہ لیتے تھے اور آپ ان کی آزادی کا اہتمام فرماتے تھے۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے: ''جس شخص نے ایک مسلمان کو آزاد کیا وہ اس کے لئے آگ سے رہائی کا باعث ہوگا'' (۲۳)۔

جو غلام آزاد ہوتے آپ ان کی مالی معاونت فرماتے اور مال غنیمت جب تقسیم ہوتا تو اس میں غلاموں کو حصہ دیتے تھے (۲۴)۔

ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے ابوذر غفاری کو غلاموں کے متعلق فرمایا کہ یہ تمہارے بہن بھائی ہیں

جن کو خدا نے تمہارے ماتحت کر دیا ان کو گالی مت دو بلکہ ان کو ایسا ہی کھلاؤ اور ویسا ہی پہناؤ جیسا خود کھاتے اور پہنتے ہو ان کو وہ کام کرنے کے لیے نہ دو جو وہ نہ کرسکتے ہوں اور کوئی مشکل کام ان کو دو تو ان کے ساتھ ہو کر اس کو کرو۔ یہی وجہ ہے کہ غلاموں کو کوئی تکلیف پہنچتی تو خود بارگاہ رسالتؐ میں پہنچ جاتے اور آپ اس کو دور فرماتے تھے۔

غرضیکہ نبی کریم ﷺ رحمۃ للعالمین تھے وہ معاشرے کے مظلوم طبقات کے لیے رحمت عظیم تھے آپ نے معاشرے کے کمزور اور پسے ہوئے لوگوں کو سایۂ رحمت میں جگہ دی اور ان کی آزادی کے لیے مسلمانوں کو تلقین کی(۲۵)۔ یکسر غلامی کو منسوخ قرار دینے سے معاشرے میں افراتفری پھیلنے کا خطرہ تھا اس لیے ان سوتوں کو بند کیا جو غلامی کا باعث بنتے تھے اور جو لوگ غلام بن گئے تھے ان کی آزادی کیلئے راہ ہموار کی تاکہ یہ لوگ معاشرے میں باعزت مقام حاصل کرسکیں۔

موجودہ زمانے میں پرانی قسم کی غلامی کا طریقہ ختم ہو گیا ہے جہاں طاقت کے زور پر لوگوں کو غلام بنا کر ان سے کام لیے جاتے تھے ان کی خرید و فروخت کی جاتی اور ان پر مظالم توڑے جاتے لیکن اب بھی غلامی قائم ہے جو نئی طرز کی ہے اس کے مطابق طاقتور اقوام غریب اور پسماندہ عوام کو محکوم بناتی ہیں، ان کی دولت کو تجارت اور امداد کی آڑ میں لوٹتے ہیں اور سیاسی فوائد حاصل کرتے ہیں۔ ایشیاء و افریقہ کی کئی اقوام اس غلامی میں مبتلا ہیں وہ اپنے وسائل پر پوری طرح قابض نہیں اور نہ ہی آزاد داخلی اور خارجی پالیسیاں اپنا سکتے ہیں۔ اس جدید غلامی سے نجات بھی ضروری ہے تاکہ پسماندہ ممالک اپنی قسمت کا خود فیصلہ کریں۔

رسول کریم ﷺ جامع جمیع کمالات انسانی تھے۔ آپ کی ذات ان تمام اعلیٰ اور بلند محامد کی حامل تھی جو بنی نوع انسان کے لیے ہر زمانہ میں کامل نمونہ کا کام دے سکے۔ آپ کے مکارم بیان کرنا ایک عام آدمی کے بس سے باہر ہے۔ اس عالی مرتبت اور عظیم الشان انسان کی سیرت مقدسہ کا ایک پہلو سادگی ہی لے لیں۔ کتب سیر سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے کبھی شاہانہ ٹھاٹھ سے زندگی بسر نہ کی بلکہ سب کچھ میسر آنے کے باوجود آپ کی زندگی میں سادگی نمایاں رہی۔ آپ کے کھانے پینے لباس، رہائش، بلکہ طرز تخاطب، کلام اور عام معاشرت میں سادگی کا پہلو نمایاں تھا۔ غربت اور فقر آپ کا امتیازی وصف تھا جو کچھ کبھی میسر آتا ناداروں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ وہ غریبوں کے ساتھ رؤف و رحیم تھے اس لیے ممکن نہ تھا کہ غرباء و محروم طبقات بھوکے رہیں اور وہ اعلیٰ کھانے کھائیں۔ یہ مساوات اور برابری کی اعلیٰ مثال ظاہر کرتی ہے کہ نبی کریم ﷺ کو غرباء کی مفلسی پر بڑا قلق تھا۔

سادگی کے ساتھ آپ کی وسیع الخلقی سے لوگ بہت متأثر ہوتے تھے ایک عام عرب بدو اور غریب سے غریب تر انسان بھی بلا تکلف آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اپنی بات بیان کر سکتا تھا۔ دنیا کے دربار میں جہاں بادشاہ اور امراء بڑے کر و فر اور جاہ وجلال کے ساتھ جلوہ افروز ہوتے ہیں وہاں کسی عام آدمی کی مجال نہیں ہوتی کہ وہاں جا سکے اور اظہار مدعا کر سکے۔ لیکن یہ نبی کریم ﷺ کا دربار عالی تھا جہاں ہر عام مفلس و بے یار ومددگار آدمی بلا تکلف حاضر ہو کر اپنا مقصد بیان کر سکتا تھا آپ کی بے انتہا فروتنی اور خلق خدا سے محبت کا نتیجہ تھا کہ لوگوں کے دل خودبخود آپ کی طرف کھنچے چلے آتے تھے اس خُلق کی طرف قرآن نے بھی اشارہ کیا ہے: ﴿وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ﴾ کہ اگر آپ سخت دل ہوتے تو لوگوں میں اس حد تک ہر دلعزیز نہ ہوتے۔ اسی خلق عظیم کی ایک صورت یہ تھی کہ آپ غریب سے غریب شخص کی دعوت بھی قبول فرما لیتے جو وہ عقیدت اور خلوص کے ساتھ دیتے۔ دعوت میں وہ شخص سادہ سے سادہ چیز پیش کرتا وہ آپ بخوشی تناول فرماتے اور اپنے ساتھیوں کو بھی کھلاتے(۲۶)۔

ایک دفعہ ایک انصاری نے آپ کی دعوت کی جو آپ نے قبول فرما لی۔ آپ نے اسے کہا کہ چار آدمی میرے ساتھ آئیں گے۔ جب آپ دعوت پر انصاری کے گھر جانے لگے تو راستہ میں ایک اور شخص آپ کے ساتھ چل پڑا۔ انصاری کے گھر پہنچ کر آپؐ نے اس سے فرمایا کہ تم نے پانچ آدمیوں کی دعوت کا اہتمام کیا ہو گا لیکن یہ چھٹا آدمی بھی ہمارے ساتھ ہے اس کی اجازت دو تو اسے دعوت میں شریک کریں اس نے بخوشی اجازت دے دی تب آپ اس کے گھر گئے۔ آپ کی اعلیٰ ظرفی اور اخلاق کی بلندی ملاحظہ ہو کہ آپ انصاری سے اجازت لیتے ہیں اور پھر اس کے گھر میں داخل ہوتے ہیں کیوں کہ اس نے پانچ آدمیوں کی دعوت کا اہتمام کیا تھا حالانکہ انصار تو اپنا تن من دھن نبی کریم ﷺ پر نثار کر چکے تھے۔

اسی سادگی اور قناعت پسندی کا ایک اور وصف آپ کی عام زندگی میں å نمایاں رہا۔ سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ دو دو مہینے گزر جاتے لیکن گھر میں چولہا نہ جلتا تھا۔ ہم لوگ کھجور اور پانی پی کر گزر بسر کرتے تھے، سوائے اس کے کہ انصار ä یوں کے ہاں سے رسول کریم ﷺ کے لیے دودھ بطور ہدیہ آجاتا تھا اور آپؐ ہمیں پلا دیتے تھے۔ خوراک سے متعلق آپ کی سادگی صرف مختصر مدت کے لیے نہ تھی بلکہ زندگی کے آخری ایام تک یہی معمول رہا۔ آپ نے اپنے کھانے پینے کا کوئی خاص اہتمام نہ کیا بلکہ فقر و فاقہ کو ترجیح دی۔ خوراک کے علاوہ آپ کا لباس بھی انتہائی سادہ تھا۔

سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جب آپ کا وصال ہوا تو آپ کے جسم اطہر پر ایک پیوند والی چادر اور ایک گاڑھے کا کرتہ تھا۔ بستر کا یہ حال تھا کہ آپ کھجور کے کھردرے بوریے پر سوتے جس سے آپ کے جسم مبارک پر چٹائی کے نشان پڑ جاتے تھے۔ بعض مستشرقین اسلام دشمنی کی بناء پر کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے پاس کچھ تھا ہی نہیں اس لئے وہ عمدہ اور پر تکلف زندگی کیسے گزارتے۔ ان کا یہ اعتراض ناواقفیت اور تعصب پر مبنی ہے۔ آپ کے پاس جب کثرت سے مال و اسباب آیا اور دولت کی فراوانی ہوگئی تو پھر بھی آپ نے اسے اپنی ذات یا اپنے متعلقین پر خرچ نہ کیا بلکہ اسے غرباء و مساکین میں تقسیم فرما دیتے اور اپنے اہل و عیال کے لیے کچھ نہ رکھتے۔ یہ آپ ﷺ کی سیرت مقدسہ کا ایسا نمونہ ہے جس کی مثال نہیں ملتی۔ غرض دوسروں سے ہمدردی کی یہ اعلیٰ مثال ہے۔

نبی کریم ﷺ گھر کے کام میں مدد دیتے تھے۔ حضرت سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپؐ گھر کے ہر کام میں مدد دیتے تھے اور جب نماز کا وقت آتا تو نماز کے لیے تشریف لے جاتے۔ آپ کوئی ملازم رکھنا پسند نہ فرماتے، حالاں کہ آپ ﷺ آسانی سے خادم رکھ سکتے تھے جو اہل خانہ کے کاموں میں ہاتھ بٹا سکے۔ آپ کی پیاری بیٹی سیدہ فاطمہ زہراؓ کے ہاتھوں پر چکی پیس پیس کر چھالے پڑ جاتے۔ ایک دفعہ انہوں نے آپ ﷺ سے ایک خدمتگار کی درخواست کی تو آپ نے انکار فرما دیا اور انہیں ایک ورد عطا کیا جو تسبیح فاطمہ کہلاتا ہے۔

گھر کے کاموں کے علاوہ آپ صحابہ کرامؓ کے ساتھ عام کاموں میں بھی حصہ لیتے تھے۔ چنانچہ مسجد نبویؐ کی تعمیر کے وقت آپ صحابہ کرامؓ کی ساتھ مل کر اینٹیں اٹھاتے رہے۔ ایسے ہی جنگ احزاب کے موقع پر خندق کی کھدائی میں حصہ لیا۔ نبی کریم ﷺ کی سادگی اور بے تکلفی کے سینکڑوں واقعات ہیں جن سے ہمیں اپنی زندگی میں زیادہ سے زیادہ سادگی اختیار کرنے کا سبق ملتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے اسلام کی سربلندی اور غلبے کے لیے کئی جنگیں کیں۔ یہ ایک ناگزیر ضرورت تھی ان جنگوں کا مقصد اسلام کی ترقی و ارتقاء میں پیدا ہونے والی رکاوٹوں کو دور کرنا اور ظلم و جور کو ختم کرنا تھا۔ اسلام نے جنگ کو ایسی صورت میں جائز قرار دیا ہے جب دعوت اسلام میں رخنہ اندازی ہو اور امن و امان کو پامال کیا جائے۔ ان کا مقصد کمزوروں اور معاشرے کے مظلوم طبقات کا دفاع تھا(۲۷)۔ عام طور پر تاریخ کے مختلف ادوار میں جنگیں کمزور اقوام کی آزادی چھیننے، ان کی دولت و وسائل لوٹنے اور ان کے معاشی اور سیاسی استحصال کے لئے لڑی جاتی رہیں۔ ان میں لوٹ مار، قتل و غارت گری اور جبر و ستم روا رکھا جاتا رہا لیکن اسلام میں جنگ ظلم کے خاتمے اور

دفع شر کے لیے لڑی جاتی تھی، یہ جہاد فی سبیل اللہ تھا۔ خود غرضی نہ تھی۔

معاذ بن جبل کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لڑائیاں دو قسم کی ہیں: جس شخص نے خالص اللہ کی رضا کیلئے لڑائی کی اور اس میں امام کی اطاعت کی، اپنا بہترین مال خرچ کیا اور فساد سے پرہیز کیا تو اس کا سونا جاگنا سب اجر کا مستحق ہے اور جس نے دنیا کے دکھا وے اور شہرت و ناموری کے لیے جنگ کی اور اس میں امام کی نافرمانی اور زمین میں فساد پھیلایا تو وہ اس پر عذاب ہو گا(۲۸)۔

اسلام میں جنگ صرف دو صورتوں میں جائز ہے: اَ۔ دفاع، ب۔ اصلاح۔

اسلام میں جنگ کا مقصد دعوت یا تبلیغ نہیں بلکہ حریت اور دعوت اسلام کا تحفظ ہے۔ کیونکہ دین میں کسی طرح کا جبر نہیں ہے۔ اس لئے جنگ کا مقصد عقیدہ کی آزادی کا تحفظ اور دعوت و تبلیغ حق کے تقاضوں کا دفاع ہے۔ جنگ کے وقت اسلام میں ان طبقات کو ایذا دینے یا قتل کرنے سے منع کیا ہے جو غیر متحارب ہوں۔ عورتوں، بوڑھوں، بچوں، خانقاہ نشینوں، عابدوں وغیرہ افراد کے تحفظ کی تلقین کی گئی۔ غیر متحارب گروہوں کے قتل سے منع کرنے کے علاوہ متحارب گروہوں کے لیے بھی بعض حدود مقرر کی گئیں تا کہ انسانی حقوق کا اتلاف نہ ہو۔ یہ ایسے احکامات ہیں جن کو آج متمدن اقوام اور اقوام متحدہ تسلیم کرتی ہے، ان میں سے بعض کا ذکر کیا جاتا ہے:

۱۔ غفلت میں حملہ نہ کیا جائے۔
۲۔ شدت انتقام کے باعث لاش کا مثلہ نہ کیا جائے ۔
۳۔ آگ میں نہ جلایا جائے۔
۴۔ دشمن کو تکلیفیں دے کر نہ مارا جائے۔
۵۔ لوٹ مار سے احتراز کیا جائے۔
۶۔ تباہ کاری نہ کی جائے فصلیں تباہ نہ کی جائیں بستیوں کو برباد نہ کیا جائے۔
۷۔ قیدیوں کو قتل نہ کیا جائے۔
۸۔ قتل سفیر جائز نہیں۔
۹۔ بدعہدی نہ کی جائے۔
۱۰۔ وحشیانہ افعال سے پرہیز کیا جائے(۲۹)۔

نبی کریم ﷺ کو دنیا کے سپہ سالاروں سے ایک منفرد مقام حاصل ہے۔ آپ نے ایک فوج کو ترتیب و تشکیل دیا، عمدہ جنگی حکمت عملی تیار کی اور دشمنوں پر فتح حاصل کی۔ اور ایک پاک اور صالح

نظام حکومت کی بنیاد رکھی۔ آپ نے مکی زندگی میں صبر و استقامت اور دفاع کی حکمت عملی اختیار کی مخالفین نے ظلم و تعدی کا بازار گرم کیا، کبھی لالچ دی کبھی دھمکیاں دیں لیکن آپ کے پائے استقامت میں لغزش نہ آئی۔ آپ نے مسلمانوں کا تحفظ کیا، انہیں منظّم کیا اور ایک عظیم قوت بنایا۔ مدنی زندگی میں آپ کا لائحہ عمل تبدیل ہو گیا۔ آپ نے اپنی قوت کو ایک مرکز پر مجتمع کیا کیونکہ مسلمان ایک اقلیت سے اکثریت میں بدل چکے تھے سب سے پہلے آپ نے مہاجرین اور انصار کو باہم ملایا۔ ان میں اخوت و محبت قائم کی۔ منافقوں اور یہودیوں کی مسلمانوں میں پھوٹ اور انتشار ڈالنے کی سازشوں کا مقابلہ کیا اور خدا کی عطا کردہ فہم و فراست کی بدولت مدنی معاشرے کو فعال بنایا اور اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّآ اَنۡزَلۡنَآ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِتَحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰٮكَ اللّٰهُ﴾(۳۰)

(ہم نے آپ پر برحق کتاب اتاری تاکہ آپ لوگوں کے درمیان حکومت اللہ کے احکام کے مطابق انجام دیں)۔

غرضیکہ ایک عظیم مدبر اور جنگی حکمت عملی کے ماہر کے طور پر آپ نے خداداد صلاحیتوں کی بدولت عرب کے منتشر، مضمحل اور فرسودہ معاشرے کو ایک نئی جہت ایک نیا جذبہ اور ولولہ عطا کیا جس کی بدولت پہلی اسلامی ریاست معرض وجود میں آئی۔ حق کا بول بالا ہوا اور مسلمانوں کو جہاں بانی کے اصول معلوم ہوئے جن کی بدولت انہوں نے قیصر وکسریٰ کے تخت الٹ دیئے(۳۱)۔

نبی کریم ﷺ حقیقی انقلاب کے داعی تھے(۳۲)۔ انقلاب جزوی بھی ہو سکتا ہے کلی بھی۔ ایسے ہی انفرادی بھی ہو سکتا ہے اور اجتماعی بھی۔ علاقائی یا جماعتی سطح پر بھی بپا ہو سکتا ہے اور پورے معاشرے پر بھی محیط ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا لایا ہوا انقلاب ہمہ جہتی، µ اور تعمیری تھا اس نے معاشرے کے ہر پہلو کو متاثر کیا۔ پرانے نظام کی جڑیں کھوکھلی کر کے ان پر نئے نظام کی µ اقدار کی تعمیر کی۔ اس انقلاب کی ایک منفرد حیثیت ہے۔ یہ ایک نفع بخش اور اجتماعی تبدیلی کا نقیب ہے۔ اس کا مقصد باطل کو مغلوب اور حق کو سربلند کرنا ہے۔ اس کا بنیادی نقطہ رجوع الی اللہ اور معاشرے سے ظلم، استحصال، برائی، زر پرستی، ہوس پرستی اور انسان پرستی کا خاتمہ ہے۔ دین اسلام کو باقی ادیان پر غالب کرنا ہے۔ اسلامی انقلاب وحدت انسانی کے تصور پر قائم ہے ایسے اجتماعی انقلاب کے لیے نبی کریم ﷺ نے قائد انسانیت کے طور پر خدا کی وحی کی روشنی میں اپنے صحابہؓ کی تربیت کی۔ ان کو ایک قوت میں تبدیل کیا۔ اسی لیے قرآن نے ان کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھ ایک طرف خدا کے آگے سجدہ ریز رہتے ہیں۔ دوسرے وہ کفار پر سخت ہیں اور دین کے

غلبے کے لیے کوشاں ہیں۔ اس کیلئے وہ اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر رہے ہیں اور خدا کے دین کی سربلندی کے لیے ہر ممکن قربانی دے رہے ہیں۔

اسلامی انقلاب کا ایک واضح مقصد اور ایک جامع نصب العین تھا۔ نبی کریم ﷺ کی قائدانہ صلاحیتوں کی بدولت اس کا حصول ممکن ہوا۔ آپ کے پیروکاروں نے آپ کے احکامات پر سر تسلیم خم کیا انقلاب پر مکمل یقین و ایمان رکھا اور اس کو کامیاب بنانا اللہ کے حکم کی تعمیل سمجھا۔ اگر قائد یا انقلاب کے بارے میں خدشات ہوں تو انقلاب کی کامیابی معرض خطر میں پڑ جاتی ہے لیکن صحابہؓ کو قائدؐ پر خدا کے رسول اور فرستادہ ہونے کا پورا ایمان تھا اور انقلاب کی تعمیری نوعیت ان کے پیش نظر تھی۔ اسی لیے انہوں نے ہر تکلیف گوارا کی اور ہر مشکل اور کٹھن مرحلے پر جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔ خطرات و مصائب میں نبی کریم ﷺ نے å شجاعت و استقلال کا مظاہرہ کیا اور صحابہ کرامؓ کی رہنمائی کی تاکہ معاشرے میں ایک نئی اسلامی روح بیدار ہو جو آئندہ نسلوں کے لیے مینارۂ نور کا کام دے۔

غرضیکہ اسلام نے معاشی، معاشرتی، مذہبی اور سیاسی سطح پر انقلاب بپا کیا اور جن جن ممالک کو مسلمانوں نے تسخیر کیا ان کی پرانی اور بوسیدہ اقدار کو ملیا میٹ کرکے ان کو ایک نیا فلسفہ حیات اور ایک تازہ پیغام دیا۔ معاشرے کے فکری اور عملی بگاڑ کو دور کرکے باطل کو مغلوب کیا اور حق کو غالب کیا اور تعمیری نتائج پیدا کئے۔ پوری انسانی تاریخ کا واحد کامیاب تعمیری انقلاب رسول اللہ ﷺ کا لایا ہوا انقلاب ہے(۳۳)۔

سیرت طیبہ اور عصر حاضر کے تقاضے

آج کی دنیا گوناگوں مسائل سے دوچار ہے یہ مسائل نہایت پیچیدہ اور کٹھن ہیں ان کی نوعیت مختلف فیہ ہے لیکن یہ ایک دوسرے کے ساتھ مربوط بھی ہیں۔ سیاسی، معاشی داخلی اور خارجی مسائل کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی مسائل ہر ملک وملت کو درپیش ہیں تہذیب و تمدن کی ترقی سائنس اور) لوجی کے فروغ نے ان مسائل کو ایک تو اہم بنا دیا ہے دوسرے ان کو پیچیدہ سے پیچیدہ تر کر دیا ہے۔ مسائل ہونا بذات خود کوئی نئی بات نہیں تاریخ کے ہر دور پر اقوام و ملل ان داخلی اور خارجی مسائل سے دوچار رہے لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ ان باہمی طور پر مربوط اور الجھے ہوئے مسائل کو حل کیسے کیا جائے اور عصری تقاضوں کو کس انداز سے سامنا کیا جائے(۳۴)۔

مسائل انسان کی تمدنی اور معاشرتی زندگی کا ایک حصہ ہیں، حصہ رہے ہیں اور آئندہ بھی ہوں

گے ان کا زندگی سے چولی دامن کا ساتھ ہے۔ عصر حاضر میں ان کی نوعیت بدلنے کے ساتھ ساتھ ان کی اہمیت اور ضرورت بھی بڑھ گئی ہے۔ اکثر مسائل مسلم اقوام کو ورثہ میں ملے جب وہ محکوم اور غیرملکی تسلط کے زیر اثر تھیں۔ غیر ملکی طاقتوں نے نہ صرف ان کے قدرتی و سائل کو لوٹا بلکہ ان کو ایسے سیاسی، معاشی اور داخلی مسائل سے دوچار کر دیا جن کو حل کرنا آسان نہ تھا۔ آج اکثر مسلم ممالک معاشی پسماندگی غربت اور افلاس کا شکار ہیں کیوں کہ ایک تو وہ خود اپنی تقدیر بدلنے پر تیار نہیں۔ دوسرے بیرونی غلبہ ودباؤ کے زیر اثر ان کی فعال قوتیں مضمحل اور ناکارہ ہو چکی ہیں۔ اقوام کی اس زبوں حالی کو اسلامیان عالم مختلف سیاسی و معاشی تجربات کرکے اپنے لئے نئی راہیں نکال رہے ہیں۔ افکار و خیالات کے تصادم و نظریات کی گوناگونی نے انہیں پراگندگی اور ابتری میں مبتلا کر دیا ہے۔ ان نظریات کی یلغار کی وجہ سے وہ کبھی ایک طرف نظر اٹھاتے ہیں اور کبھی دوسری طرف دیکھتے ہیں۔ کبھی اس نظریے کو آزماتے ہیں اور کبھی اس نظریے کو پرکھتے ہیں۔ مگر انہیں ہر طرف تاریکی دکھائی دیتی ہے۔ تیزی سے بڑھتی ہوئے سائنسی ترقی، انفارÂ) لوجی کی دھوم دھام اور مغربی اقوام کے پُر زور پروپیگنڈے نے ان کو برگشتہ و حیران کر دیا ہے۔ ان کی نگاہیں خیرہ ہوگئی ہیں اور اعصاب شل ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے مسلمان اس وقت تک پروقار منزل حاصل نہیں کرسکتے۔ جب تک وہ دین اسلام کے انمٹ قوانین پرعمل پیرا نہ ہوں اور نبی کریم ﷺ کی سیرت پاک کومشعل راہ نہ بنائیں۔ سیرت ہی انسانیت سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہے۔ زندگی کتنے ہی نشیب و فراز سے گزرے زمانہ کتنی ہی کروٹیں لے، سائنس و) لوجی کتنی ترقی کریں، انسان علم و اکتشاف کے کتنے مراحل طے کرے سیرت نبویؐ کے لافانی نقوش اس کو منزل کا راستہ بتاتے رہیں گے اس کو اسلام ہی سے رہنمائی ملے گی(۳۵)۔

موجودہ صدی میں عالم اسلام جس داخلی کش مکش، اغیار کی چیرہ دستیوں اور غیرمسلم اقوام کی جارحیت کا شکار ہے۔ اس کی مثال تاریخ کے کسی دور میں نہیں ملتی۔ مغربی اقوام نے اسلام کو بدنام کرنے اور نبی کریمؐ کی ذات گرامی پر جاہلانہ اور متعصّبانہ اعتراضات کا جو طومار باندھ رکھا ہے وہ ان کے باطنی خبث، اسلام سے نفرت اور تعصب کا مظہر ہے۔ ان کی طرف سے کبھی اسلام اور نبی کریمؐ کی ذات گرامی کے متعلق بے جا اور لا یعنی اعتراضات کئے جاتے ہیں اور کبھی مستشرقین سے ایسی کتابیں لکھائی جاتی ہیں جن سے اسلامی شخصیات کی کردار کشی ہو۔ اس مذموم مہم میں واضح تاریخی اور تسلیم شدہ حقائق کو مسخ کیا جاتا ہے تاکہ مسلمانوں کی دل آزاری ہو۔ ایک اور جدید حربہ ان دل آزار خاکوں کی تشہیر ہے جو محض اسلام کے خلاف نفرت دلانے کی مہم کا حصہ ہیں، تو دوسری طرف یہ

مسلمانوں کے دلوں سے روح محمدؐ نکالنے کی ایک مذموم کوشش بھی ہے۔ غیر مسلم دنیا ان طریقوں سے اپنے ممالک کے لوگوں کی رائے عامہ کو اسلام دشمنی پر اکساتی ہے۔ جینوا میں مسجد کے اونچے مینار بنانے پر پابندی عائد کی گئی۔ حالاں کہ گرجوں کے اونچے مینار بدستور قائم ہیں۔ عورتوں کے حجاب پر پابندی پر اصرار اور مسلم خواتین کو بے راہ روی کا درس دینے کے حربے مغرب کا وطیرہ بن چکا ہے۔

مغربی دنیا کی طرف سے ایک تو ثقافتی، معاشی اور سیاسی یلغار جاری ہے تو دوسری طرف اسلام کو ایک دہشت گرد اور انتہا پسند مذہب کے طور پر پیش کیا جاتا ہے جو سراسر غلط اور ظلم پر مبنی رویہ ہے۔ اسلام امن اور صلح کا درس دیتا ہے وہ انصاف، مساوات اور عدل قائم کرنے کا علمبردار ہے۔ بعض غلط نظریات رکھنے والے لوگوں کی روش نے مغرب کو یہ جواز فراہم کر دیا ہے کہ وہ عراق اور افغانستان جیسے ممالک کو محکوم بنائیں۔ ان پر مظالم ڈھائیں اور عام شہریوں کو تختہ مشق بنائیں۔ اسلام پر اعتراض کرنے والی یورپی اقوام کے دلوں میں انسانی جانوں، مذہبی قدروں، ملی تقاضوں، مسلمانوں کی آزادی اور ملکی خودمختاری کا کوئی احترام نہیں، حقوق انسانی کا کوئی احساس نہیں اور افراد کے بلاتخصیص قتل عام پر کوئی ضمیر کی خلش نہیں۔ اسلام ایسی جنگ، ظلم وبربریت کی قطعاً اجازت نہیں دیتا۔ وہ انسانوں کے جان ومال، عزت و آبرو کو تحفظ فراہم کرتا ہے اور امن وسکون سے زندگی بسر کرنا سکھاتا ہے۔ وہ طاقت کے ناجائز اور بے محابا استعمال کا سخت مخالف ہے۔ مغربی اقوم ایک طرف جدید جنگی Ï روں سے مسلح تہذیب و تمدن ملکی سالمیت اور آزادی پر حملہ آور ہیں تو دوسری طرف گمراہ کن پروپیگنڈا کے ذریعے اسلام اور اسلامی اقدار کو ملیامیٹ کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔ یہ دوشاخہ حملہ روز بروز زور پکڑ رہا ہے جس کے تدارک کے لیے مسلمانوں کو اجتماعی طور پر ایک حکمت عملی وضع کرنی چاہیے۔ مغربی دنیا میں عیسائی اور یہودی تھنک ٹینک اسلام مخالف پالیسیاں وضع کرتے ہیں اور پھر ان کی تکمیل کے لیے ہر حربہ استعمال کیا جاتا ہے۔ ہر اسلامی ملک ایک ہی قسم کی مغربی جارحیت اور داخلی وخارجی سیاسی اور معاشی مسائل سے دوچار ہے۔ اس لیے ان کو مل کر مغرب کے حملوں کا دفاع کرنا چاہیے۔ اجتماعیت، اتحاد اور مشترکہ حکمت عملی جو اسلامی اقدار پر مبنی اور سیرت نبویؐ کی روشنی میں ترتیب دی گئی ہو، ان کی آخری پناہ گاہ ہے اور اسی میں ان کی نجات مضمر ہے۔

مختصرا کہا جاسکتا ہے:

☆ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ قرآن کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں اور سیرت نبویؐ کے مطابق زندگی بسر کریں۔

☆ جدوجہد مسلسل اور عمل کے ذریعے اپنی منزل متعین کریں باہمی فساد اور انتشار سے دور رہیں۔

☆ اخلاقی پستی اور بے راہ روی معاشرے کی اقدار کو کھوکھلا کر رہی ہے اس کی وجہ سے دوسرے معاشی، معاشرتی اور سیاسی مسائل جنم لے رہے ہیں جو پوری انسانی زندگی کو اپنی لپیٹ میں لے چکے ہیں۔ مغرب کی بے لگام بے راہ روی اور جنسی انتشار کے اثرات مسلم خصوصاً پاکستانی معاشرے کے رگ وریشہ میں سرایت کر رہے ہیں۔ جب تک اس یلغار کو روکنے کے لیے نوجوانوں کی کردار سازی نہ ہوگی وہ ذہنی انتشار کا شکار رہیں گے۔ اسی لیے ان کے اخلاق کی طرف زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ عقائد و عبادات کے بعد اخلاق کی بہت اہمیت ہے اس سے مراد نہ صرف لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کا دائرہ وسیع کرنا ہے بلکہ ان کے حقوق ادا کرنا بھی شامل ہے۔

☆ موجودہ دور کی مہنگائی، اشیاء کی کمیابی اور صنعتی پیداوار کے طریقوں نے انسان کو ہوس زر میں مبتلا کر دیا ہے جس سے کرپشن کے دروازے کھل گئے ہیں جن میں انسان آسانی سے داخل ہو رہے ہیں۔ وہ ملی، ملکی، دینی ضابطوں کو بالائے طاق رکھ کر کرپشن میں ملوث ہیں اس کے باعث ایک طبقہ خوشحال اور دوسرا نہایت بدحال ہو رہا ہے۔ اس کا تدارک ضروری ہے تاکہ روزی کمانے کے جائز ذرائع پیدا کیے جائیں اور دولت کی عادلانہ تقسیم ہو۔

☆ ہم اسلامی قوانین کو عمومی طور پر دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایک تو وہ قوانین ہیں جو ہم خود اپنے اوپر لاگو کرنے کی استعداد رکھتے ہیں، جیسے چوری نہ کرو، ظلم نہ کرو، دوسروں کے خلاف جھوٹے مقدمات نہ بناؤ، عورتوں کو ان کے جائز حقوق دو، یتیموں سے حسن سلوک سے پیش آؤ۔ ایسے اور بہت سے اسلامی احکامات ہیں جن پر انفرادی طور پر عمل پیرا ہو کر ہم معاشرے میں اصلاح باہمی اخوت اور محبت کی اقدار کو پروان چڑھا سکتے ہیں۔ دوسرے وہ قوانین ہیں جو حکومت کی طرف سے نافذ ہوتے ہیں جیسے شراب خوری، جواء قتل، چوری وغیرہ پر سزائیں، نظم ونسق اور قانون کا نفاذ وغیرہ اگر ہم اپنی اصلاح کریں اور حکومت اپنا کردار ادا کرے۔ جس کے لیے اسلامی قوانین اور سیرت مطہرہ سے رہنمائی حاصل کی جائے تو معاشرہ ترقی کر سکتا ہے۔ سیرت نبویؐ ایک روشن مینار ہے اس سے روشنی حاصل کرنا ہمارا کام ہے۔ اگر ہم خود اس È نور سے روشنی حاصل نہیں کرتے تو یہ ہماری غلطی ہے جس کی ہم سزا بھگت رہے ہیں۔

اسلام اور دین شریعت کے مصادر پر اگر نگاہ دوڑائیں تو اس کی تعلیمات کسی خاص علاقے یا قوم کے لیے نہیں بلکہ عالم انسانیت کے لیے ہیں۔ یہ کسی خاص عہد کی ضرورتوں کو پورا نہیں کرتے بلکہ ان کی ایک دائمی اور ابدی حیثیت ہے۔ قرآن آسمان سے اتاری جانے والی آخری وحی کا صحیفہ ہے اور

حضور کریمؐ عالم بشریت کے آخری نبی اور رسولؐ ہیں۔ اس میں سابقہ آسمانی مذاہب کی سچی اور صالح تعلیمات کو برقرار رکھا گیا اور ان کی خرافات اور خود ساختہ رسوم و رواجات کی اصلاح کی گئی۔ شریعت تمام انسانیت کو ایک تہذیب سے آشنا کرنا اور ایک تمدن میں پرونا چاہتی ہے اور س کا اصل مأخذ قرآن مجید اور سنتِ رسولؐ ہے۔ شریعت کے احکام نفس انسانی پر بوجھ نہیں۔ ان میں سہولت اور آسانی ہے۔ ان میں صاف اور سادہ تعلیمات ہیں۔ جن میں کوئی پیچیدگی نہیں۔ شریعت، اول قدم پر نفسِ انسانی کی اصلاح کرتی ہے۔ اصلاح و تزکیہ کے بعد شرعی احکام بوجھ نہیں بلکہ راحت کا باعث بنتے ہیں۔ قرآن مجید شرعی احکام بیان کرتے ہوئے جو اسلوب اختیار کرتا ہے۔ اس کا ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

﴿وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ. وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ. لَانُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا. وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْكَانَ ذَاقُرْبٰى. وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا. ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَO وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ. وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ. ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾(۳۶)

(اور یہ کہ مالِ یتیم کے قریب نہ جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو بہترین ہو۔ یہاں تک کہ وہ اپنے سنِ رشد کو پہنچ جائیں۔ اور ناپ تول میں پورا انصاف کرو۔ ہم ہر شخص پر ذمہ داری کا اتنا ہی بار رکھتے ہیں، جتنا کہ اس کے امکان میں ہے اور جب بات کہو، انصاف کی کہو، خواہ معاملہ اپنے رشتہ دار کا ہی کیوں نہ ہو اور اللہ کے عہد کو پورا کرو۔ ان باتوں کی ہدایت اللہ نے تمہیں کی ہے۔ شاید کہ تم نصیحت قبول کرو۔ نیز اس کی ہدایت یہ ہے کہ یہی میرا سیدھا راستہ ہے۔ لہٰذا تم اس پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ اس کے راستے سے ہٹا کر تمہیں پراگندہ کر دیں گے۔ یہ ہے وہ ہدایت جو تمہارے رب نے تمہیں کی ہے۔ شاید کہ تم کج روی سے بچو)۔

اگر آپ اس آیت پر غور فرمائیں تو احساس ہوتا ہے کہ شریعت انسانی فطرت سے ہم آہنگ ہے۔ انسان کی عقل سلیم اس کی تائید کرتی ہے۔ شریعت نے عقل کو کہیں حقیر نہیں سمجھا بلکہ اسے نورِ مبین کی ایک کرن اور اللہ کی بے مثال حکمت کا نشان قرار دیا ہے۔ ہمیں اس بات کا ادراک ہے کہ وقت کی تیز رفتاری نے صدیوں پہلے کے تمدن میں ایک جوہری تغیر پیدا کر دیا ہے۔ سادہ زندگی ایک پیچیدہ شکل اختیار کر چکی ہے۔ معیشت کا دائرۂ کار اور اس کے پیمانے ہر آن تبدیل ہو رہے ہیں۔ نت نئے سوالات کا ہمیں سامنا ہے۔ میڈیکل اور انجینئرنگ کی دنیا میں ایک انقلاب آ چکا ہے۔

سائنس کے انکشافات، ایجادات اور اختراعات نے زندگی کی رفتار کو نہ صرف تیز کر دیا ہے بلکہ اس کا مزاج اور نقشہ بھی تبدیل کر دیا ہے۔ لیکن اس تغیر و تبدل نے شریعت اسلامی کے متعین احکامات کی روشنی میں وسعت پیدا کردی ہے۔ فطرت جتنے روپ اختیار کرے گی، شریعت اُس کے ہر روپ اور ہر پہلو میں رہنمائی فراہم کرے گی۔ مغربی اقوام اور ان کے قانون دان اگر انصاف بین نگاہوں سے دیکھیں تو شریعت اسلامی کے سرمائے سے وہ بھی مستفید ہوئے ہیں۔ ادب القاضی کے لٹریچر اور فقہاء کے اجتہاد نے عصری ضرورتوں کا احترام کیا ہے۔ اسلامی شریعت نے اول اول رومیوں اور ساسانیوں کے معاشروں کو تسخیر کیا۔ پھر پہلی صدی ہجری کے اواخر میں ہسپانیہ کے راستے فرانسیسی قوانین پر اپنے اثرات واضح کیے۔ اور یوں بتدریج پورا مغرب اسلامی شریعت کی فیض رسانیوں سے مستفید ہوا۔ ریاست اور کلیسا کے درمیان جو خلیج واقع ہوئی۔ اس سے مغربی ریا **Z** لادینیت اور مادیت کے راستے پر سرپٹ دوڑتی چلی گئیں اور نتیجتاً سیکولرازم ان کی آخری منزل قرار پایا۔ جس کے شکنجے میں وہ اخلاقی اقدار سے دور اور روحانی اثرات سے محروم ہوتے چلے گئے۔ مغربی معاشروں میں بہت سی **µ** اقدار ہونے کے باوجود وہ وحی والہام کی مشروعیت سے کٹ جانے کی وجہ سے ایک حیوانی معاشرے میں ڈھلتے چلے جا رہے ہیں۔ شریعت ایک ایسا وضعی دستور العمل ہے جو وحی والہام کے ذریعے سے پیغمبرﷺ کو تفویض کیا گیا۔ جس کی تشریح، تعبیر اور تنفیذ کا اختیار رسول کریمؐ کو دیا گیا۔ جو اب شرعی اصطلاح میں سنت کہلاتا ہے۔ جسے ذخیرۂ حدیث میں ایک سائنٹیفک (Scientific) انداز میں جمع و ترتیب کے عمل سے گزارا گیا ہے۔ اسی باعث اسلامی شریعت کی پہلی خصوصیت اس کا استناد ہے جو ماضی، حال اور مستقبل کے عصری تقاضوں سے ہم آہنگ ہے۔ چونکہ کتاب و سنت شریعتِ اسلامی کے مآخذ ہیں، اس لئے ان مصادر کی طرح خود شریعت بھی دائمی، دوامی اور آفاقی اقدار کی حامل ہے۔ اس میں زمانہ اور زمین کی گردشوں اور ارتقاء کے ساتھ وسعت پذیری ہے۔ یہ شریعت انفرادی، اجتماعی، معاشرتی، معاشی، عدالتی، سیاسی اور بین الاقوامی حالات ومسائل کے بارے میں فیصلہ کن موقف پیش کرتی ہے۔ چونکہ یہ اصولِ فطرت سے ہم آہنگ ہے۔ اس لیے اس میں فطری لچک اور ارتقاء کا پہلو دکھائی دے گا۔ اگر آپ معاملات میں اسلام کے دیوانی قوانین پر نگاہ دوڑائیں اور فقہاء کے کام پر نظر ڈالیں یا فتاویٰ کے مجموعوں کو دیکھیں تو شریعت کے آفاق اور اس کی وسعت کا آپ بخوبی اندازہ کرسکتے ہیں۔ اسلامی شریعت ایک وضعی ضابطہ ہے۔ جو کسی دوسرے ضابطے سے ماخوذ نہیں۔ البتہ قدیم شرائع کے بہت سے پہلوؤں کو اس میں برقرار رکھا گیا: ﴿اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی. صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی﴾(۳۷). ایک تقابلی جائزے سے ردّ وقبول کی ایک فہرست تیار کی جا سکتی ہے۔ جہاں

تک اس کے قانونِ روما سے ماخوذ یا متأثر ہونے کے پروپیگنڈے کا تعلق ہے۔ اس موضوع پر بہت سا تحقیقی لوازمہ ہمارے سامنے ہے۔ جس سے اس الزام یا تاثر کی بخوبی تردید ہوجاتی ہے۔ امن عامہ کی بحالی اور تکریم انسانیت کے مقاصد کے لحاظ سے اگر کسی ضابطہ قانون میں عالمگیر اور آفاقی ہونے کی صلاحیت ہے تو وہ صرف اسلامی شریعت کے ضوابط ہیں جو اپنے اجتہادی مزاج کے باعث قابل عمل، ہمہ گیر اور عالم گیر ہیں۔ مغربی قوانین صرف جرائم کی دنیا کے بارے میں وضعی ضوابط کے حامل ہیں۔ ان کے ہاں ریاستی معاملات کے کچھ دائروں میں دیگر ضابطے بھی دکھائی دیتے ہیں۔ مگر شریعت، انفرادی، اجتماعی اور ریاستی تمام دوائر پر مشتمل ہے۔ زندگی کی ہر حرکت اور انسان کا ہر عمل، دنیوی ہو یا اخروی اس سلک گوہر میں پرویا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ یہ دیوانی قوانین ہوں یا فوجداری، تجارتی ضوابط ہوں یا صنعتی، معاشرتی اصول ہوں یا مدنی، دستوری معاملات ہوں یا بین الاقوامی، زوجین کے حقوق و فرائض ہوں یا والدین اور اولاد کے تعلقات، ä یوں کے مسائل ہوں یا شہری ضابطے، روز مرہ زندگی کے احوال ہوں یا مستقبل کے اندیشے، عبادات ہوں یا معاملات یا اس ضمن میں کسی نوع کا بھی کوئی مقامی یا بین الاقوامی ضابطہ۔ شریعت ان سب کے بارے میں مستقل قواعد اور ضوابط پیش کرتی ہے۔ حیران ہونے کی بات نہیں شریعت انسان کے ذوق کی تربیت کے لیے بھی آداب و رسوم کا شعور دلاتی ہے۔ اس میں تو مکانوں، جانوروں اور پرندوں تک کے معاملات کے حقوق کا شعور دلایا گیا ہے۔ اخلاقی قوانین بھی اسی نظام شریعت کا ایک مستقل حصہ ہیں۔ الغرض انسانی زندگی کے ہر پہلو سے متعلق پیش آمدہ صورت حال کی اصلاح کے لیے ضوابط اور اگر کہیں ضرورت آپڑے تو، اجتہادی بصیرت سے محض قانون سازی کا صرف جواز ہی نہیں، استدلال اور اسلوب بھی موجود ہے۔ اسلامی قوانین اور ضوابط شریعت کے بارے میں گولڈزیہر(Gold Zhiher) شاخت(Joseph Schacht) اور دیگر متعصب مستشرقین کے اعتراضات کہ یہ رومی قوانین سے مأخوذ یا ان کا چربہ ہیں، ایک سطحی الذہن آدمی کا دعویٰ ہو سکتا ہے۔ لیکن تقابلی مطالعہ کیا جائے یا تحقیق کی میزان لگائی جائے تو ایسے الزامات درست ثابت نہیں ہوتے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ مغرب کا سارا قانونی اور دستوری ڈھانچہ عوام کی حاکمیت اور عوام کے نمائندوں کے خیالات پر کھڑا ہے۔ جو جمہوری طریق پر قانون سازی کا مزاج رکھتے ہیں۔ جبکہ شریعت کے ضوابط تو اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرتے ہیں اور حکمرانوں کی حیثیت اس حاکمیت اعلیٰ کی نیابت یا خلافت پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس لیے حکومت ہو یا معاشرہ، دونوں شریعت کے تابع ہیں۔ جس سے حقیقی قانونی مساوات جنم لیتی ہے۔ ان قوانین میں کوئی امتیازی قانون نہیں۔ رنگ، نسل، زبان، عورت، مرد، غلام، آقا، چھوٹا، بڑا، امیر، غریب یا کوئی اور عنصر

اس شرعی قانون کی بالادستی اور مساوات میں حائل نہیں ہوتا۔ مغرب کے قوانین میں حلال و حرام کا کوئی فرق روا نہیں رکھا جاتا۔ ان کے ہاں سود، زنا، سٹہ، قماربازی، شراب، برہنہ رقص و سرود اور نہ جانے کتنے مفاسدِ ایسے ہیں جن کو قانونی تحفظ حاصل ہے:

''جس قانونی نظام میں ہم جنس پرستی کے لیے استدلال اور قانون سازی ہو رہی ہو۔ اس کے اخلاقی پہلوؤں کا قارئین خود اندازہ کرسکتے ہیں۔ آزاد جنسی تعلق اور بغیر کسی اخلاقی اور شرعی ضابطے کے ازدواجی مراسم نے مغرب کی معاشرتی زندگی کو تلپٹ کر دیا ہے۔ ان کا خاندانی نظام شکستگی کی آخری حدوں کو چھو رہا ہے۔ مغرب کی خواہش ہے کہ گلوبلائزیشن کے ذریعے سے ایک ایسا عالمگیر معاشرہ قائم کر دیا جائے جہاں کسی قسم کی اخلاقی اور شرعی حدود وقیود نہ ہوں۔ شرعی اور اقدار پر دہشت گرد جیسی اصطلاحات سے منسوب کئے جا رہے ہیں۔ اسلامی ممالک اور معاشروں میں شریعت کے حامیوں کو داخلی اور خارجی تنقید کا سامنا ہے۔ میڈیا نے اس مبحث کو ایک تیز زبان عطا کر دی ہے''(۳۸)۔

ان تمام مشکلات کا حل سیرت رسولؐ سے مکمل رہنمائی ہے جو ہر دور کے تقاضوں کا حل پیش کرتی ہے اور انسان کو تاریکیوں اور گمراہیوں کے اندھیروں سے نکال کر روشنی اور ترقی کا رستہ دکھاتی ہے۔

سیرت نبویؐ کی بدولت ہم اپنے معاشی نظام کی بھی اصلاح کرسکتے ہیں۔ ہم صرف معاشی نظام کو مادی فوائد کا ذریعہ سمجھتے ہیں حالانکہ اسلام کے نزدیک معاشی سرگرمیوں کے روحانی، معنوی اور اخلاقی فوائد بھی ہیں اسلام فرد کی آزادی کا احترام کرتا ہے۔ مسابقت کو پروان چڑھاتا ہے معاشرے کے کمزور طبقات کے حقوق کا تحفظ کرتا ہے وہ ان معاشی سرگرمیوں کی اجازت دیتا ہے جو اسلام کی رو سے حاصل ہوں دوسرے ایسی معاشی سرگرمیوں کا سد باب کرتا ہے جو معاشرے کی اجتماعی بہبود اور اقتصادی توازن میں رخنہ انداز ہوں۔ مغرب کے معاشی نظام اور سودی کاروبار کے چھا جانے کے باعث ایک ایسی معاشی پالیسی وضع کرنا جو خالصتاً اسلامی قوانین پر مرکوز ہو بہت مشکل لیکن قابل عمل کام ہے۔ ایسے ہی ہمیں معاشرتی، سیاسی اور بین الاقوامی معاملات میں اپنی الگ پالیسی وضع کرنے میں بہت سی دشواریوں کا سامنا ہے لیکن ان مسائل اور بیرونی اثرات کے باوصف اسلام کے بنیادی قوانین اور سیرت کے درخشاں پہلو ہمیں ایسے بنیادی خطوط ½ کرتے ہیں۔ جن پر عمل پیرا ہو کر ہم اپنی راہ متعین کرسکتے ہیں اور اقوام عالم میں اپنا مقام بلند کرسکتے ہیں۔ اگر ضرورت پڑے تو ان حالات میں عصری تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کے لیے اجتہاد بھی کیا جا سکتا ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ ابن کثیر ابوالفداء اسماعیل (م ۷۷۴ھ) البدایہ والنہایہ، مکتبہ المعارف ، بیروت 1966ء ص 250/1۔

۲۔ ابن ھشام (محمد بن عبدالمالک م (12ھ). السیرہ النبویہ. دارالخلیل، بیروت ص 168/1۔

۳۔ ابن ھشام۔ نفس المصدر ص 182/2 خ ابن سید الناس (محمد بن محمد بن عبداللہ 734ھ) عیون الاثر فی فون المغازی والشمائل والسیر دارالجیل بیروت ص 52/1۔

۴۔ تفصیل کے لیے دیکھیں۔ البخاری ، الجامع الصحیح کتاب فضائل الصحابہ ، باب ما لقی النبی " اصحابہ من المشرکین بمکۃ" حدیث نمبر 3639۔

۵۔ ڈاکٹر خالد علوی، انسان کامل، الفیصل لاہور ۱۹۷۴ء، ص ۴۴۳، عنوان شارع کے تحت عمدہ بحث کی گئی ہے۔

۶۔ المائدہ: ۳

۷۔ الجمعہ: ۲

۸۔ النساء: ۱۳۵

۹۔ مائدہ: ۸

۹-اے۔ حمید اللہ محمد، رسول اللہ ﷺ کی سیاسی زندگی، دار اشاعت کراچی، 1984، ص 253۔

۱۰۔ Karen Armstrong, Muhammad, Prophet of our Times, Harper Press, London, 2006

۱۱۔ مولانا محمد حنیف یزدانی، محمد رسولؐ اللہ غیر مسلموں کی نظر میں، لاہور ۱۹۷۹ء، ص ۱۸۸۔

۱۲۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین ﷺ، ص ۲۴۹۔

۱۳۔ Karen, op.cit of 146-8

۱۴۔ الزمر: ۹

۱۵۔ سورہ علق: ۵

۱۶۔ سورۃ القلم: ۱

۱۷۔ ابن ماجہ: ۱/ ۸۱

۱۸۔ سنن دارمی: ۱/ ۱۰۰

۱۹۔ مقالات سیرت، مقالہ پروفیسر احمد یار، ص ۱۹۷۸ء۔

۲۰۔ سورۃ التوبۃ: ۶۰

۲۱۔ ابوداؤد، السنن: ۴/ ۳۳۶

۲۲۔ ابوداؤد: ۴/ ۳۳۶

۲۳۔ ابن ماجہ: ۲/ ۸۴۳

۲۴۔ ابوداؤد: ۳/ ۳۵۸

۲۵۔ قاضی محمد سلیمان منصورپوری، رحمۃ للعالمین، پروگریسو بک لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۲۴۱۔

۲۶۔ Dr. Muhammad Abdul Hai Arfi, The Way of the Holy Prophet Muhammad, Darul Ashaat, Karachi, 2001, P.66-103.

۲۷۔ B. Salem Foad, Life of the Prophet Muhammad, Goodword Books, London, 2004 P.96

۲۸۔ ابوداؤد، **کتاب الجہاد** :۳/ ۳۰

۲۹۔ ڈاکٹر خالد علوی، انسان کامل، ص ۳۰۲- ۳۰۷، جنوری ۲۰۰۱ء، طبع سوم لاہور۔

۳۰۔ سورۃ النسا: ۱۰۵

۳۱۔ ڈاکٹر خالد علوی، انسان کامل، الفیصل بک لاہور، ص ۳۴۶- ۳۴۷۔

۳۲۔ Al-Haj Qasim Ali, op.cit P.269-272 Chapter 'Personality and Character of Muhammad' P.272-8.

۳۳۔ Qasim Ali, op.cit PP245-50 Chapter Changed Arab World.

۳۴۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، سیرت سرورؐ عالم، لاہور ۱۹۷۸ء، باب سیرت کا پیغام، ص ۷۱۷، ۷۳۷۔

۳۵۔ دیکھیں محمد رفیق ڈوگر، الامین، دید شنید لاہور، ۱۹۹۹ء، باب روحانی اور دنیاوی تربیت کا ضابطہ، ص ۴۱۲- ۴۶۷۔

۳۶۔ الانعام: ۱۵۲-۱۵۳

۳۷۔ الاعلیٰ: ۱۸- ۱۹

۳۸۔ ماہنامہ ''دعوۃ'' مئی، جون ۲۰۰۹ء (مضمون مقاصد شریعت اور ہماری ذمہ داریاں، پروفیسر عبدالجبار شاکر، دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔

....